"بس بیا — یہ اخیر ہے بندے کا —" کالیا بڑبڑایا تھا اُس شاہی مدفن کی خاموشی میں اور قدرے آزردہ تھا کہ اُس کا برادر عزیز کُتا ہونے کے شبہے میں باہر ہی روک لیا گیا تھا۔ اس شاہی قبرستان کو صرف وی آئی پیز اور مقامی اعلیٰ حکام یا غیر ملکی ہی دیکھ سکتے تھے کہ شاہی خاندان کی خواتین کے مقابر کو نامحرموں کی نظروں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی... البتہ ان کی تصاویر غیر ملکی جرائد میں بے خطر چھپ سکتی تھیں۔ یوں بھی ایک بیگم صاحبہ... متعدد میں سے ایک غیر ملکی تھیں اور وصیت کے مطابق یعنی اپنی وصیت کے مطابق اپنے محبوب خاوند کے قدموں میں یوں خوابیدہ تھیں کہ اُن پر ایک مغربی طرز کا شاندار سنگ مرمر مقبرہ جالیوں سمیت بوجھ ہو رہا تھا۔

انہوں نے ایک کُتورے اور ایک انسان نے — ان مقابر کو اُس ناواقف روشنی کے اندر فنا کی نیلی ٹائلوں، سنگ مرمر کی محرابوں اور جالیوں کی کشتیوں میں آہستہ آہستہ ڈوبتے دیکھا تھا...

کالیا کچے بازار کے بھید میں ریت پر قدم گھسیٹتا چلتا تھا اور وہاں روشنی تادیر ٹھہر کر دم توڑ چکی تھی اور اسی لئے اندھیرا تھا...

کل صبح تک وہ اپنی کوٹھری میں تھا۔

کہنے کو تو یہ جیل کی کوٹھڑی تھی لیکن اس میں وہ تمامتر آسائشیں تھیں جو کسی فائیو سٹار ہوٹل میں میسر ہو سکتی تھیں۔ کالیے کے ایک دوست نے ایک عمر یورپ میں گذار دی اور بالآخر اپنی تمامتر دولت سمیٹ کر پاکستان واپس آ گیا — کیوں؟ — اس لئے کہ پاکستان وہ واحد ملک تھا جس میں اگر آپ کے پاس پیسہ ہو تو ہر آپ چیز خرید سکتے تھے — انصاف بھی — بیسٹ کنٹری اِن دے ورلڈ مائنڈ یو... بی پاکستانی اینڈ بائی پاکستانی — وہاں اُس کو کوٹھڑی میں اسے تلی ہوئی ٹراؤٹ مچھلی اور ٹارٹر ساس کے ہمراہ سفید فرانسیسی وائن بھی مہیا ہو سکتی تھی اگر وہ خواہش کرتا تو — لیکن... ہمیشہ فرق رہتا ہے ایک پُر آسائش جیل کی کوٹھڑی میں اور کسی پس ماندہ گاؤں کے ایک کچے مکان میں... آزادی کا۔ بیل آؤٹ ہوتے ہی وہ واپس اسلام آباد نہیں گیا تھا بلکہ اس شہر سے نظریں چراتا ایک کرائے کی کار میں سیدھا لاہور پہنچا تھا اور آدھی رات کے وقت پہنچا تھا اور سات کمروں والی کوٹھی کے اندر پہنچا تھا... تھوڑی سی شرمندگی کہ کیسے وقت آ گیا ہوں اور کچھ خجالت

ب مشاہد آنکھیں ملتا ہوا باہر آیا اور پس منظر میں برگیتا کی آواز — احتیاط کرنا مشیل... پتہ نہیں کون ہے۔

"زاہد؟... مشاہد اُس کی شرمندگی سے لطف اندوز ہوتا آگے آیا اور وہ اتنے عرصے کے بعد اسے دیکھ کر جی جان سے خوش ہوا "اوئے تم؟"

"میں اور — برادر عزیز" کالیے نے جھک کر اپنے بوٹ چاٹتے کُتورے کو کانوں سے پکڑ کر اٹھایا اور مشاہد کے سامنے کر دیا" ہم دونوں صبح تک تمہارے مہمان ہیں اور پھر چولستان چلیں گے... جیل کے بعد صحرا بہت ضروری ہو جاتا ہے —"

"اگر ناگوار نہ گذرے تو میں بھی تمہارے ساتھ جانا پسند کروں گا —"

برگیتا کی آواز پھر آئی — اور مجھے نہ بھولنا زاہد —

"آہو —" کالیے نے خوش ہو کر کہا "تو میں آیا کس لئے ہوں — تم دونوں کے لئے... جیل تو تمہارے بغیر مجبوری تھی، صحرا تو نہیں"

"اندر آجاؤ — اور میں نے رنجیت سنگھ کی پوتی پرنس بمباں سدرلینڈ کی قبر تلاش کرلی ہے..."

"ہیں —" کالیا یکدم حواس باختہ ہو گیا اور بہت ہو گیا "اوئے پُت پینڈو، ابھی ابھی تو میں جیل سے نکلا ہوں اور ابھی تم مجھ سے ایسے قاتل قسم کے مذاق کرتے ہو —"

"نہیں میں مذاق نہیں کرتا — وہ یہیں لاہور میں دفن ہے ایک کرسچین گریویارڈ میں... پنجاب کی واحد ڈاؤن ٹو ارتھ شہزادی — پرنس بمباں سدرلینڈ — لیکن ابھی تم اندر آؤ"

"صرف میں نہیں، میرا برادر عزیز بھی"

مشاہد نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا تھا۔ پتہ نہیں وہ ابھی تک نیند میں تھا اور شائد وہ غنودگی میں پنجاب کی رانی کی قبر کہیں دیکھ آیا تھا۔

بمن یا کسٹم سپرانٹنڈنٹ مال بھی کھا گیا اور اُس کے مال کو پکڑ بھی لیا۔ کیا جواب دیں گے یہ لوگ روزِ قیامت — اور بے شرم شخص جیل میں ملاقات کے لئے بھی آ گیا اور کالیے اُوپر سے سخت آرڈر تھا، مجبوری تھی... معافی دے دو — بمن یا معافی تو میں جیل سے باہر آکر دوں گا۔ جب تمہارے بمن یا پورے خاندان کو لنڈن ویکیشن کے ریٹرن ٹکٹ کے ہمراہ شاپنگ پونڈ نہیں ملیں گے اور تمہاری بیٹی کو بی ایم ڈبلیو کا تازہ ماڈل نہیں

ملے گا اور جب پی ایم ہاؤس سے تمہارے اگلے گریڈ کا آرڈر نہیں نکلے گا تب میں بھی تمہیں معافی دوں گا... یا پھر قیامت کے روز تم سے پچھ پڑتیت ہو گی کہ مال بھی کھا گئے اور مال پکڑ بھی لیا... کوئی خدا کا خوف ہی نہیں رہا لوگوں کے دلوں میں...

اُس کے کانوں میں صحرا کی بے حرمتی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جزیٹر کی بے تکی اور بے ڈھب آواز۔

میرا خیال ہے برادر عزیز تھک گیا ہے، اُس نے جھک کر کُتورے کو دیکھا جو ایک کان کھڑا کر کے "وَف" کرنے کے انتظار میں تھا اور جونہی اُس نے تھکاوٹ کا ایک "وَف" کیا، کالیے نے اُسے گود میں اُٹھا لیا اور واپس کیمپ کی جانب چلنے لگا۔ کُتورا اب نام کا ہی کُتورا تھا وہ تقریباً ایک کُتا ہو چلا تھا — راستے کا تعین صرف جزیٹر کے بے ہنگم شور سے ہوتا تھا۔

وہ نُور جو صرف کوہِ طور کی ایک جھاڑی میں سے ظاہر ہوتا تھا یہاں پورے صحرا پر اُترتا تھا اور قلعہ ذیر اور کے کچے اہراموں، مسجد کے شکستہ جالی دار جھروکے پر جہاں سے بازار کی کھنڈر خوش نمائی جھکتی تھی وہاں — اور قلعے کے اندر جہاں مقامی داستانوں کے مطابق ایک بھیڑ اُس درخت تلے جو اب بھی موجود ہے بھیڑیوں سے محفوظ رہی تھی وہاں — شاید زیر زمین اُن کمروں میں بھی جن پر پورے صحرا کا بوجھ تھا اور جہاں صرف ایک روشندان میں سے روشنی نیچے آتی تھی اور اُن کچے کمروں میں یوں پھیلتی تھی کہ یہاں بھی حیران کرتی تھی کہ کیا سورج کی کرنیں اتنی غیر معمولی، اتنی محیرالعقول اور غیر قدرتی ہو سکتی ہیں — یہاں بھی کوہِ طور کا نور اُترتا تھا...

وہ جب سیڑھیاں اُتر کر ایک نابینا کی طرح ہاتھ پھیلائے ان زیر زمین گرتے اور مخدوش حالتوں والے کسی بھی لمحے اُس پر بوجھ ہو کر ملیامیٹ کر دینے والے زندہ درگور کمروں میں گیا تھا تو وہاں ایک ٹھنڈک اور ایک پراَئیویسی تھی — اُس نے اُن لوگوں کی قسمتوں پر رشک کیا جو بجلی کی آمد سے پہلے اس صحرا میں — یہاں قلعہ ذیر اور کے نیچے تہہ خانوں میں — مکمل آسائشوں کے ساتھ — اپنے عشق کے ساتھ شب بسر کرتے تھے — وچ روہی دے راہندیاں... اُس نے رشک کیا... قلعے کے چٹیل دُھول آلود میدان پر ایک چھوٹا سا کمرہ نما روشندان نمایاں تھا، زمزمہ توپوں کے قریب، پھانسی گھر سے ذرا پرے، نیچے بہت نیچے اُس کی روشنی ایک شہتیر کی صورت اندھیرے میں گرتی تھی — اس

کے اردگرد وہ پوشیدہ کمرے تھے جن میں... کسی نے اپنے عشق کو برہنہ دیکھا ہو
تاریکی اور ناواقف روشنی میں دیکھا ہو گا — اس نے رشک کیا... اور قدم گھسیٹتا
کی جانب چلتا رہا۔

گاؤں ڈیرا اور کی ریت گلی کے آس پاس چند کچے کوٹھے تھے اور جو ڈھے چکے تھے
مویشی بندھے تھے اور اُن میں کہیں ایک اونٹ شاید جان بوجھ کر ایک خاص وقفے
گردن ہلا دیتا تھا کہ اُس کے گلے سے لٹکتی گھنٹیوں کی آواز خود اُسے ہی مسحور کرتی
تب بھی تاریکی میں سفر کرتی یہ آواز ان تک پہنچتی کُتورا جو اب کالیے کی گود میں
کر ریت پر استراحت فرما رہا تھا ایک کان اُٹھا کر اسے بغور اور مکمل سنجیدگی سے

الوہی روشنیوں میں بھیگے رنگ بدلتے شاہی مقابر اب تاریکی میں روپوش ہو چکے

اُن سے پرے — صحرا کے بیچ چند بلب جیسے تاریکی میں معلق ہوں بجھی ہوئی
شنی پھیلا رہے تھے اور اُن کی روشنی سے بڑھ کر جنریٹر کا شور تھا جو صحرا کے سکون
زدہ کر رہا تھا — جھاڑیوں میں سے کالیے کے قدموں کی چاپ سن کر پرندے
تھے — اُڑتے تھے یا اُڈاری مار کر ذرا آگے تاریکی کی عافیت میں جا بیٹھتے تھے اور
کے قدموں میں آہٹیں تھیں، کُربل کُربل کی آوازیں — جو شاید چوہے تھے،
ہاں تھیں جو آہٹ سے سر نکالتی تھیں اور اِدھر اُدھر ہو جاتی تھیں...
صحرا میں جیسے بارات اُتر آئی تھی۔
خیمے، قناتیں، جنریٹر، سوزوکی وینیں، سامان کے انبار۔
بھدر کے کُرتوں اور تہمدوں میں اور سر پر بیٹھی ہوئی پگڑیوں میں سر جھکائے
ے اِدھر اُدھر ہوتے لوگ — جیسے وہ بھی صحرا کی چپ میں یکدم آہٹیں سن کر
سے نکل آئے تھے اور اب گلہریوں کی طرح ادھر ادھر ہوتے تھے۔
یک ٹریکٹر ٹرالی سے ایک عالی شان ڈائننگ ٹیبل اور کرسیاں اُتاری جا رہی تھیں۔
شاہی بندوبست سے الگ ذرا فاصلے پر الاؤ روشن تھے جن پر چولستانی بکروں کے
بھون رہے تھے۔

فلش سسٹم کا بھی بندوبست ہو چکا تھا۔

"یہ کس بہن یا نے ایسا پاگل خانہ بندوبست کیا ہے —" کالیا بڑبڑایا اور ا
بڑبڑاہٹ سے کُتورے نے اندازہ لگا لیا کہ مالک غصّے میں ہے — زاہد کالیا
حس جمال رکھتا تھا اور اسی کمیاب حس کی وجہ سے کسی بھی قدیم شے کے سامنے آ
جان جاتا تھا کہ وہ کیا ہے اور اُس پر قربان ہوتا تھا، وہ اگر ان اشیاء کی سمگلنگ کرتا تھا
بھاری دل کے ساتھ - کئی بار ایسا ہوتا تھا کہ وہ ایئرپورٹ پر اپنے کونیکشن کو فون کر کے
پر لوڈ ہوتی کنسائن منٹ رکوا لیتا کہ اُسے رات کے کسی پہر خیال آ جاتا کہ اُس جاپان
کنسائن منٹ میں بدھا کا ایک ایسا ہیڈ جا رہا ہے جسے اگر ایک خاصی روشنی میں دیکھا جا
اُس کی آنکھیں زندہ لگنے لگتی ہیں، تمہاری طرف دیکھتی ہیں اور کالیا اس کی
برداشت نہ کر پاتا اور اپنے کرم فرما کسٹم سپُر سے کہتا، یار ابھی نہیں — پوری لاٹ
سے وہ ہیڈ نکال کر گھر لے آتا اور اُس کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہتا — اوئے قربا
تمہیں جانے دیتا تھا جاپان — چنانچہ کالیے نے اس وسیع پُر آسائش بندوبست کو بھی
کیا جو اُس کے مقامی کونیکشن نے آرگنائز کیا تھا — یہاں سے ہندوستان کا بارڈ
نزدیک تھا اور کالیا کبھی کبھار منہ کا مزہ بدلنے کے لئے اُن علاقوں سے بھی مستفید
تھا۔

کھدر کی بڑی پگڑی والا جھکا ہوا ایک اور سر ٹھہری ہوئی تاریکی میں سے نکل کر
کے پاس آ گیا "سائیں میں اللہ دوایا نمبردار ہوں —"

"یہ تمہارا بندوبست ہے؟"

"سائیں —" اللہ دوایا دوہرا ہو گیا۔

"بہن یا یہ کیا بندوبست ہے؟"

اللہ دوایا فیصلہ نہ کر سکا کہ عباسی صاحب کے حکم کے مطابق اس نے قلعہ ڈ
کے سائے میں جو شاندار ڈیرے لگائے ہیں اُن سے سائیں خوش ہیں یا ناخوش
"سائیں یزمان سے ڈیفنگ ٹیبل آیا ہے، اور جنریٹر تو ملتان سے منگایا ہے اور ادھر ام
شرقیہ سے سینٹری فٹنگ کے لئے مستری دین پناہ کو حاضر کیا ہے۔ سائیں ٹینکی ایسی فٹ
ہے کہ بٹن دباؤ تو فرفر پانی فلش میں بہتا ہے — بیٹھ کر دیکھو سائیں —"
کالیے نے اللہ دوائے کو زیر لب جو کچھ کہا وہ کسی کے بھی سننے کے لائق

"اس بھونکتے ہوئے جنریٹر کو بند کرو — موم بتیاں ہیں؟"
"موم بتیاں؟" اللہ دوایا پریشان ہو گیا "سائیں بلب جلتے ہیں۔"
"جنریٹر سوچ آف کر دو اور — یہ جو قالین بچھا رکھے ہیں اور اُن پر قطار اندر بیاں لگی ہیں انہیں اُٹھاؤ اور ان قناتوں اور خیموں سے کم از کم ایک ہزار گز پرے ہالے جاؤ"
"حکم سائیں —" وہ پھر دوہرا ہوا اور اپنے چہرے پر ناپسندیدگی کو یوں نہ چھپایا کہ ں سائیں دیکھ تو نہیں سکتا تھا۔
یکدم بلب ٹمٹما کر بجھ گئے۔ جنریٹر کی مشینی گڑگڑاہٹ رُکی اور ایک سکوت اُترا۔ آگئی اور اس کے ساتھ گیارہویں کے چاند کی ہلکی روشنی بھی بے آواز آئی۔
"بہن یا یہ بات ہوئی ناں — کیوں برادر عزیز؟" اس نے کُتورے کے کان میں کی اور جھک کر کی اور پھر گویا اندھیرے سے گویا ہوا "اوئے مشاہدی — اوئے پُت — ں ہو؟" وہ آس پاس بیٹھے لوگوں کے قریب ہو کر پہچاننے کی کوشش کرنے لگا لیکن یا تھا کہ ہلکی چاندنی کے باوجود ابھی کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا کہ آنکھیں عادی نہیں تھیں۔
"سائیں —" اگر اندھیرے میں سایہ چل سکتا ہے تو اللہ دوایا ایک سائے کی ا آگیا "سائیں صاحب اور میم صاحب اندر گئے ہیں"
"اندر؟"
"اُدھر چولستان کے اندر سائیں — جدھر جھاڑیاں اور نرم ریت ہے"
"یہ باز نہیں آتا مشاہدی کا بچہ —" کالیا ایک کرسی پر براجمان ہو گیا "جھاڑیاں یت"
ایک وسیع تاریکی میں اُس کے عین سامنے کچھ ٹمٹماہٹ سی نظر آئی۔ روشنی کی لہر لہرائی جیسے بجلی کی پوشیدہ سی رشک ہو۔ پھر روشنی تیز ہو کر کسی جیپ کی میں بدل گئی۔
"یہ کون ہے؟"
ماجد قریشی صاحب اُدھر بارڈر کے قریب ایک گوپے کی طرف گئے تھے سائیں بجانے والوں کو لینے —"

"ہیں؟" کالیا بہت راضی ہوا" بہن یا صحرا میں مجرا ہو گا؟"

"ہو گا جی اللہ کے فضل سے ہو گا ـــ" نمبردار دانائی سے سر ہلانے لگا۔

جیپ قریب آ گئی اور اُس کی ہیڈ لائٹس کالیے کی آنکھوں کو چندھیانے لگیں فوراً گل ہو گئیں۔ چند سائے اُترے اور سامنے ریت پر بیٹھ گئے۔

نہ اُن کی عمر نہ اُن کی جنس اور نہ اُن کی شکل کا پتہ چلتا تھا۔

وہ اپنے ساز درست کرنے لگے، سر جھکائے تاریکی میں، صرف ہلکی چاندنی میں کی موجودگی برقرار نظر آتی تھی۔ وہ ایک گروہ کی شکل میں نہ دکھائی دیتے تھے اور نہ میں ربط رکھتے تھے، سب الگ الگ اکائیاں تھے اور اپنے آپ سے کام رکھتے تھے۔ میں بات بھی نہیں کرتے تھے، اُن کے سازوں کی آوازیں بہت دیر کے بعد فطرت الگ ہوتی تھیں، جھاڑیوں میں سرسراہٹ سے چلتی ہوا کے ساتھ، جو پرندے ادھر دکھتے نہ تھے لیکن اُڑتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے اُن کی پرواز کی ردھم کے ساتھ اور کی خاموشی کے ساتھ اُن کے سازوں کی لَے ہم آہنگ ہو کر بلند ہوتی تھی۔

"قربان ـــ" کالیے نے اپنی ہپ فلاسک کا پہلی بار استعمال کیا اور ایک طمانت اور خواہش بھرے گھونٹ سے کہا "بسم اللہ ـــ" اُس نے ہاتھ لہرا کر موسیقار گویا اذن گویائی دیا۔ لیکن موسیقار اُس کی جانب دیکھ ہی نہیں رہے تھے، اپنے سازوں دِلوں پر جھکے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر کچھ اور سکوت رہا۔ یہ مکمل سکوت تو نہ تھا کہ اس میں صحرا کی اور ڈھکی ہوئی نامعلوم آوازیں تھیں، آگ کی سرسراہٹ تھی جس پر پکوان پکتے تھے کانوں کی سائیں سائیں بھی تھی جو ہر خاموشی پر حاوی ہو جانے کی قدرت رکھتی ہے ریت پر رُکی ہوئی اُن کے سازوں کی دھنیں ایک ایک الگ الگ لَے میں بلند ہو لگیں۔

"بسم اللہ ـــ" کالیے نے ایک طویل گھونٹ بھر کر اپنے آپ کو شتابی سے محو کرنے کی کوشش کی... الگ الگ لے ـــ صحرا میں ـــ جو صحرا میں اور اس کے ا پوشیدہ اور مقیم تھے اُن کی سرسراہٹوں میں یہ لَے بلند ہونے لگی۔

"آپ کدھر چلے گئے تھے ـــ" آواز برگیتا کی تھی اور کدھر سے آئی تھی اس تعین کالیا بالکل نہ کر سکا اور وہ اپنی چوری پر پکڑے جانے والے ایک بچے کی مانند ذرا جبرا

شرمندہ محسوس کرتا ہوا ادھر ادھر اندھیرے کو دیکھنے لگا۔
"اِدھر — " برگیتا کی آواز پھر آئی۔
مشاہد ہنسا اور اُس کی ہنسی تو وہ پہچانتا تھا۔ یہ بھی قریب ہی تھی اور برگیتا بھی قریب تھی۔
"ہیلو زاہد — " مشاہد اُٹھا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔
"تم دونوں کہاں دفع ہو گئے تھے اوئے — "
"ہم یہی سوال تم سے پوچھ سکتے ہیں — " آہستہ آہستہ تاریکی میں برگیتا کی سیاہ کا شائبہ نظر آنے لگا۔
"میں اور برادر عزیز وہ روشنی دیکھنے گئے تھے جو جذب ہو چکی تھی اور پھر سے دے رہی تھی..."
"برادر عزیز؟"
"یہیں کہیں تھا — " کالیا جھکا۔ آس پاس دیکھنے کی کوشش کی۔ کُتورا چولستان میں کہیں تھا لیکن نظر نہیں آ رہا تھا "اور تم کہاں تھے؟"
"یہیں — "
"جھاڑیوں میں اور نرم ریت پر — " وہ برگیتا کا بہت احترام کرتا تھا اور اسی لئے کی آواز میں کوئی معنی خیزی یا رمزیت نہ تھی۔
"ہاں — " یکدم برگیتا ہنسی "زبردست — جیسے ریت تمہارے بدن کے نیچے لگتی ہے — زبردست — "
"سائیں بات کروں؟" اللہ دوایا پھر حاضر ہو کر دوہرا ہو چکا تھا... اس کی آواز میں جنریٹر کو بند کرا دینے کی ناپسندیدگی تھی "کراچی والے مہمان سٹیشن پر اُتر چکے ہیں گھنٹے میں ادھر آ جائیں گے... جیپ بہاولپور سٹیشن کے باہر انتظار کرتی ہے سائیں ادھر جو ڈاکٹر صاحب مہمان آ رہے ہیں دوسری طرف سے تو اُن کی گاڑی لیٹ بعد میں پہنچیں گے۔"
"ٹھیک ہے — یہ ڈاکٹر بڈھا شیر ہمیشہ دیر کر دیتا ہے — شادی بھی دیر سے ہے اور... پتہ نہیں اُس نے ابھی تک کوئی کام دکھایا ہے یا نہیں — اُس کے اندر مطلب ہے اُس کی بیوی کے اندر کچھ ٹھہرا ہے کہ نہیں — "

برگیتا نے سُنا اور چُپ رہی —

صحرا کی رات میں یہی آسانیاں تھیں کہ آپ سنتے ہیں اور چپ رہتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ آپ کا رد عمل کیا ہے..... برگیتا کو بھی دن رات یہی طعنے سننے کو ملتے تھے۔ باجیوں سے خاص طور پر..... ہائے ہائے..... چوہدری اللہ داد کا بیٹا مشاہد — اور ہائے ہائے بے اولاد — کچھ دیر بعد کالیا جان گیا کہ اس نے ایک بلنڈر کیا ہے یہ کہہ کر کہ پتہ نہیں اُس کی بیوی کے اندر کچھ ٹھہرا ہے کہ نہیں — لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی برگیتا کے علاوہ مشاہدی بھی تو..... بات دونوں طرف جا سکتی تھی — کَٹس بوتھ ویز —

"سائیں کھانا سب لوگ مل جل کر کھائیں گے یا یہیں آپ کے سامنے لگا دیں۔ ویسے ادھر چلیں تو سبحان اللہ یزمان سے ڈیننگ ٹیبل منگائی ہے اور دو چولستانی بکرے بھون لئے ہیں سارے کے سارے"

"بہن یا تمہیں کھانے کی پڑی ہے —" کالیا بے حد خفا ہوا "ذرا ان کی تو سنو یہ کیا کہہ رہے ہیں —"

نمبردار بھی بے حد خفا ہوا اور پیچھے ہو کر کڑھنے لگا کہ یہ کیسے مہمان آ گئے ہیں...

"یہ — میوزیشنز کیا کہہ رہے ہیں زاہد —" برگیتا نے ہچکی بھر کر پوچھا "پلیز — میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا —"

"میری سمجھ میں بھی کچھ نہیں آ رہا بھرجائی —" کالیا خوشدلی سے ہنسا "لیکن اب غور کرتا ہوں ایک اور سِپ کے بعد غور کرتا ہوں" اُس نے ہپ فلاسک کو منہ لگا کر اُس کا پیندا اُونچا کیا، وہ خالی ہو چکی تھی" بہن یا یہ بھی صحرا ہو گئی ہے —" اُس نے فلاسک کو گھما کر ادھر پھینکا اور چند پرندے اُڑے

جدھر سے ابھی ابھی مشاہد اور برگیتا آئے تھے۔

چاندنی کا طلسم مکمل ہونے میں ابھی تین راتیں باقی تھیں اور اس کے باوجود ہر شے، ہر شے اگر خواہش شدید ہو تو الگ الگ دکھائی دے سکتی تھی — ریت پر بیٹھے ہوئے — یا شاید وہ اُس میں سے اُگے ہوئے تھے اور سدا سے وہیں تھے، انہی حالتوں میں اور وہ اپنی ریت سے جُدا ہونے پر قادر ہی نہیں تھے، اپنے آپ میں الگ الگ مگن — گاتے تھے۔

وِچ روہی دے رہندیاں نازک ناز دیاں جٹیاں

راتیں کرن شکار دِلاں دے ڈینہاں دلوڑن مُٹیاں
گھڑے تیر چلاون کاری ے ے ہٹیاں
کر کر درد منداں کوں زخمی ہے ہے بدھن نہ پٹیاں

"واہ جی واہ —" کالیا بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا اور یوں داد دینے لگا جیسے اُس کے
نے سیکٹر 10 والی تینوں رقاصائیں ناچتی ہوئی اُس کے قریب اتنے قریب آگئی ہیں کہ وہ
کے بدن کی رضامند باس سونگھ سکتا ہے "نازک ناز دیاں جٹیاں — چوہدری مشاہد یہ
رے قبیلے کا تذکرہ ہے... قربان —" اس نے جیب میں سے چند نوٹ نکال کر گویوں پر
ار کر دیئے۔

ڈیراور کے افق پر کچھ روشنی ہوئی جو شاہی قبرستان کے نیلے گنبدوں پر رُکتی ایک
ی کو منور کرنے لگی — روشنی کے آگے ہلکی چاندنی مزید پھیکی پڑتے ہوئے پسپا ہو

جیپ میں سے ایک تھکی ہوئی پژمردہ شوبھا اُتری اور جب اُتری تو اپنے پاؤں ریت
دھنستے ہوئے ذرا حیران ہوئی "ہیلو چاچا مشاہد — آپ یہیں کہیں ہو؟" اُس نے
ھوں پر ہتھیلی کا چھجا بنا کر تاریکی میں آباد اس بستی کے مکینوں میں سے مشاہد کو پہچاننے
سعی کی۔ اُس نے مشاہد کی موجودگی کو تب جانا جب اس کے رخساروں پر اُس کے
ٹ اسے پیار کرتے تھے — اور فوراً ہی اب موٹے ہونٹوں کی بجائے ایسے ہونٹ اس
چہرے پر آئے جن کو وہ محبّت سے پہچانتی تھی "ہاؤ آر یُو شوبھا؟" برگیتا نے پوچھا۔

"ایک آرڈر آف دے ڈے پہنچا چاچی برگیتا... فون پر... فوراً بہاولپور پہنچو — اور
مردان جیسے تیار بیٹھے تھے — میں آغا خان سے واپس آئی تو بیرک کے برآمدے میں
ے تھے — شوبھا تم صحرا دیکھو گی؟" — صحرا کہاں ہے چاچی؟" اس نے اندھیرے سے
ے دیکھنے کی کوشش کی۔

"اِدھر ہی ہے — تم اسے دیکھ لو گی — ابھی تمہاری آنکھیں عادی ہوں گی اور
اسے دیکھ لو گی —"

"کیا میں بھی اپنا تعارف کروا سکتا ہوں؟" مردان میں بھی اتنی ہی تھکاوٹ تھی۔
چڑا اب اُس کا پاؤں گھسٹتا نہیں تھا۔ دسمبر گذر چکا تھا — اس کے باوجود اس میں
اوٹ تھی۔

مشاہد نے اسے بازوؤں میں لیا اور اُس کا ماتھا چوما اور ریت کے کچھ ذرے اس ہونٹوں میں آئے تھے "بس یہی بہانے ہوتے ہیں ملنے کے... تھینک یُو فار کمنگ ہ — تم کیسی ہو شوبھا؟"

"نو شوٹنگ — نو سٹرے بلٹس — نو بومب بلاسٹس اور نو ایم کیو ایم اور نو پختون اتحاد... میں کس دنیا میں آگئی ہوں چاچا مشاہد —"

"آپ سب جس دنیا میں بھی ہیں — یہ چولستانی موسیقار حضرت انتظار کر رہے ہیں کہ کب تم اپنے بڑے بڑے مُنہ بند کرو اور یہ — کچھ سنائیں — اجازت ہے"؟ کہیں دور سے بولا اور اِس دخل اندازی پر بہت ناراض ہوا۔

"شوبھا اور مردان آئے ہیں —" مشاہد نے پکارا۔

"ہیں؟" کالیا بھاگا آیا "اوئے ہوئے شوبھا بیٹی کے ساتھ تو پہلی بار ملاقات ہو رہی ہے... واہ واہ... بھئی دراصل..." اُس نے جلدی جلدی جیبوں کو ٹٹولا "اوئے ہوئے میں اپنی بیٹی کو پہلی بار ملنے کی خوشی میں — کچھ دینا چاہتا تھا لیکن — سارے بہن یا نوٹ۔ سوری جی — سارے نوٹ میں نے ان گویّوں پر نچھاور کر دیئے ہیں —" کالیا یقیناً ایک اور ہِپ فلاسک ڈیک چکا تھا "تو پھر شوبھا بیٹی ادھار رہا — ٹھیک ہے؟"

"دیٹ اِز اے ڈیل انکل زاہد —" شوبھا نے ہاتھ آگے کیا اور کالیا جھجک گیا پھر ہاتھ ملا کر کہنے لگا "بالکل ڈیل ہے بھئی —"

"ادھر میں ہوں" مردان بولا۔

"آہو —" کالیا پھر شرمندہ ہوا اور پھر خوب زور زور سے گلے ملا... "اب اجازت ہے؟"

"ہاں ہاں —" سب نے اجازت دے دی۔

"یہ کیا گا رہے ہیں؟" شوبھا کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"غور سے سنو شوبھا — مردان نے اُس کا ہاتھ تھام لیا "اس کلام میں بھی ٹیگور اور نذرل کی مٹھاس ہے — سنو"

وِچ روہی دے رہندیاں — نازک نازدیاں جٹیاں

ستار نقوی کا چہرہ ایک منجمد سبزی کی طرح تھا۔ بہت مدت سے فریزر میں جما ہوا اور سبز اور جیسے اُس پر کائی اُگنے کو ہو۔

صحرا کی رات میں کچھ اور وقت سایوں کی طرح گذرا اور پھر ڈیرا اور کی جانب سے ادہر لائٹ کچے کھنڈروں پر سفر کرتی ہوئی ان کی آنکھوں میں چھید کرنے لگی۔

اور اس جیپ میں سے ایک بیزار اور نڈھال ڈاکٹر ارشد احمد اُترا جو آج صبح معمول اپنی سختی سے پردے کی پابند بیگم کے ساتھ ایک قانونی عمل کے بعد ہسپتال تو وہاں ایک ٹیلی فونک پیغام تھا کہ — زاہد کالیے اور مشاہد علی کی یہ خواہش ہے کہ فوری طور پر... آج ہی...

اُسے قطعی طور بہاولپور دیکھنے کی — یا چولستان میں رات بسر کرنے کی خواہش نہ — بلکہ اس کے نزدیک یہ وقت کا ضیاع تھا۔ ایک ہی مقام تھا جہاں وقت کی قیمت تھی... چار چیزوں میں سے ایک — دریائے سوات کے کنارے سلیٹی منظر ہیں، وے ڈ ہوٹل کے قریب۔

"بسم اللہ — " کالیا استقبال کے لیے اٹھا اور بمشکل اٹھا اس لیے کہ ہِپ فلاسک ایک تو نہ تھی متعدد تھیں جو اس کے بریف کیس میں بُرے وقتوں سے نبرد آزما نے کے لیے موجود تھیں۔ "اوئے بڈھے شیر بھرجائی کہاں ہے؟"

"وہ نہیں — آئی"

"کیوں؟"

"تم سب نامحرم ہو — "

"بہرحال کورم پورا ہو گیا ہے — ہاں جی شروع کریں اب کوئی نہیں ئے گا — بسم اللہ"... اُس نے جھکے... جیسے اُن کی ریڑھ کی ہڈی ہمیشہ کے لیے قوس ہو گئی — جھکے ہوئے موسیقاروں کو کہا — وہ بالکل خاموش تو نہیں ہوئے تھے آہستہ اور اُئے میں منتظر تھے کہ نئے مہمان کی آؤ بھگت مکمل ہو تو وہ پھر سے اپنا آہنگ بلند نا۔

وِچ روہی دے رہندیاں...

نین قدموں کے قریب سے — قدم جو ریت میں دھنستے تھے ایک آواز بلند ہوئی ..."

"اوئے — " کالیا اندھیرے میں جھکا "اوئے برادر عزیز تو کدھر چلا گیا تھا۔"

"وُف — " برادر عزیز نے خوشی کا اظہار کیا۔ وہ جہاں کہیں بھی چلا گیا تھا واپس

آجانے پر بہت خوش تھا۔

نہ وہ دکھائی دیتے تھے جو بجاتے تھے، نہ ان کی گود میں ایک بچے کی طرح پوشیدہ ساز نظر آتے تھے جن پر وہ جھکے ہوئے تھے — چاند کی جو لَو تھی اس میں وہ ایسے مجز تھے جو ابھی ابھی مکمل ہوئے تھے اور شائبہ یہی ہوتا تھا کہ وہ حرکت کرنے لگیں گے۔ ا میں سے کسی ایک کا اِکتارہ خاموشی کو توڑتا تھا۔ اُس کی دُکھی ٹاؤں ٹاؤں — لگتا تھا کہ ؟ کی چیل ہے۔ ڈار سے بچھڑی کونج ہے جو کُرلاتی ہے۔

"ارشد —" مشاہد نے بہت آہستگی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اور ایسے بولا اُس کی آواز صرف اُس تک پہنچتی اور دم توڑ جاتی تھی "تھینک یُو فار کمنگ —"

"ہاں —" برگیتا نے اپنا ہاتھ مشاہد کے کندھے پر رکھا اور اُس کی گرمی ارشد تک بھی پہنچی اُس ہاتھ کے راستے جو مشاہد کا تھا اور اب اس کے بازو پر آرام کرتا تھا "لیکن تمہیں اپنی بیوی کو بھی ساتھ لانا چاہیے تھا۔"

"وہ ایک شٹل کاک برقعے میں مدفون یہاں میرے ساتھ بیٹھی ہوئی کیا لگتی — برگیتا وہ تو میرے سامنے، عین سامنے بیٹھنے سے بھی گریز کرتی ہے اور کئی بار — اور ، زیب داستان نہیں ہے — میں کئی بار اسے اپنے بیڈ روم میں دیکھ کر ٹھٹک جاتا ہوں کہ ، کون ہے —

"یُو ڈونٹ مین اِٹ —"

"اس اندھیرے میں یہ فائدہ بھی ہے کہ انسان اپنی بے بسی اور بے یقینی ، کڑواہٹ سے مسکرائے تو بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا —"

"آئی ایم سوری ارشد —"

آچنوں رَل یار ‌ ‌ ‌ پیلوں پکیاں نی وے

صحرا کی ٹھنڈک اُترنے لگی تھی اور ان کے بدن ایک پُر لطف مزاج کی ٹھنڈک سے آشنا ہوتے تھے۔

شوبھا ابھی تک کچھ بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑے ہر اس شے کو گھورتی جو ذرا حرکت کرتی — "بابا — آپ کہاں ہیں؟"

مردان اٹھا اور اس کے برابر میں آ بیٹھا "ادھر — شوبھا.... میں ادھر ہوں"

"آپ میرا ہاتھ تھام لیں — مجھے ڈر لگتا ہے —"

"فکر نہ کرو میری جان — میں تمہارے ساتھ ہوں — تمہارا بابا —" مردان مضبوطی سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ کبھی خوفزدہ نہیں ہوئی تھی — کبھی بھی.... نہ کرفیوز سے۔ نہ لوٹ مار نہ ے اور خون جو فٹ پاتھوں بس سٹاپوں اور مسجدوں میں بہتا تھا اور جمتا تھا نہ اُس — وہ کبھی نہیں خوفزدہ ہوئی تھی لیکن ایک ہی دن میں ڈر اُس کے وجود میں آئیوی طرح جڑیں پکڑ گیا تھا۔ جو دیواریں ایک ایک اینٹ کر کے اندر اپنے دفاع کے لیے تعمیر جاتی ہیں اگر اُن ... کا پلستر نہ کیا جائے تو ڈر کی آئیوی کے لیے پنجے گاڑنا مشکل ہوتا — وہ ... بھی نہیں گئی تھی۔ لیکن بابا کہتے تھے آنٹی بابر کا وزن بہت زیادہ ربت دنوں تک اُن کے کندھے دُکھتے رہے تھے... آپا نازنین اور عارفین تدفین کے قُل کے دن، دسویں کے روز بھی نہایت اہتمام سے اپنے آپ کو چادروں میں ... کر سر جھکائے بابا مردان کی ہر بات پر — بالکل جی — جی جی — شور شور اور ... — کہتی تھیں — افسوس کے لیے کس نے آنا تھا۔ محلے کی چند خواتین آ ... صرف اُس ناریل والے گھر کی ایک اندرونی جھلک دیکھنے کے لیے اور اُن کے افسوس ... کلمات پر اُن دونوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جواب میں کیا کہیں — وہ — ہاں — بالکل جی — تھینک یُو ایور سو مچ — ہی کہتی رہیں... بہت بعد میں انہوں نے ... چالیسویں کے بعد جانا کہ کیا کہا جاتا ہے — بس اللہ کی مرضی — اور ایک ٹھنڈی ... کے ساتھ کہ بس جی سب نے جانا ہے — وہ ممی کی موت کی تفصیل بیان کرنے بھی قاصر تھیں۔ افسوس کے لیے آنے والی خواتین کا دوسرا فقرہ یہی ہوتا تھا کہ پھر ... — بیمار تھیں؟ — وہ عجیب ایک دن تھا۔ اُسے مُردوں نے کبھی تنگ نہیں کیا تھا۔ میڈیکل سٹوڈنٹ عام طور پر اگر مُردوں کو دیکھنے چیرنے پھاڑنے سے اپ سیٹ نہ ہو تو جاتا تھا کہ اُسے مُردے تنگ نہیں کرتے — لیکن اُس دن وہ عجیب ایک دن تھا۔

ستار نقوی کیسے مُردہ ہو گیا۔ بیوقوفوں کی طرح منہ کھول کر سٹریچر پر لیٹ گیا اور یہ کرنے لگا کہ ہم سب اُسے مُردہ مان لیں۔

اور اُسی روز آنٹی بابر نے بھی اپنی ویٹشنگ بُرک دکھا دی —

دسویں کی رسم کے فوراً بعد شوبھا اور مردان آنٹی بابر کے گھر سے نکلے —

زیب النسا سٹریٹ کے کونے سے آلو بخاروں کے سائز کے جامن کھائے اور پھر

شوبھا کی فوکسی چل بھئی چل..... وہ ملیر پہنچے، اپنی بیرک تک پہنچے تو بیٹ مین بشیر باہر برآمدے میں کھڑا پسینہ پونچھ رہا تھا "آپ کے مہمان آئے ہیں کپتان صاحب ــــ"

اندر کین فرنیچر میں سر جھکائے عارفین اور نازنین ــــ

"ہم ممی کے بغیر اُس گھر میں نہیں رہ سکتیں ــــ ہمیں ڈر لگتا ہے"

وہ کبھی خوفزدہ نہیں ہوئی تھی لیکن اب ــــ ایک ہی دن میں ــــ عجیب ایک دن تھا۔

کئی دُھپ وِچ دی چَندیاں رہندیاں
کئی چھنوریے پہندیاں
پیلو پکیاں نی وے

ریت کے ٹیلوں پر جو شفاف اور کٹیلی ہوا ہوتی ہے ــــ جب رات ہوتی ہے اور ٹھنڈک کے گالے بدن کو چھونے لگتے ہیں اور صحرا کے چوہے اور خرگوش اور گلہریاں اور تمام رینگنے والے جانور اپنی موج میں ادھر سے ادھر جاتے ہیں تب اُس کھنکتی ریتلی ہوا میں سانس لیں تو وہ کیسے اُس ہوا سے الگ بہت جدا ہوتی ہے جو کراچی کی ایم اے جناح روڈ کے اوپر اور لاہور کی مال روڈ کے اوپر معلق دھویں اور آنکھوں میں مرچوں کی طرح چبھنے والی ہوا سے جُدا ہوتی ہے ــــ مردان جانتا تھا کہ وہ ادھر آتا رہتا تھا ــــ اِس جنگل بیابان میں حیران پریشان وہ آتا رہتا تھا۔

وہ اُس خشک پیالہ نما جگہ سے بھی واقف تھا جس کے بارے میں چولستانی خانہ بدوشوں کا عقیدہ تھا کہ وہاں ہزاروں برس پیشتر ایک جھیل تھی اور اُس جھیل پر پرندے مرنے کے لیے آ جاتے تھے۔

لیکن ابھی جب کہ اُس کے سامنے ہلکی چاندنی میں چند چڑیاں اپنے دلوں اور سینوں پر جھکی ہوئی ایسے کہ جیسے کچھ پڑھ کر اپنے دلوں اور سینوں پر پھونکیں مار رہے ہیں، خواجہ فرید کی پیلوں پکار رہے تھے وہ ــــ مردان علی حسد کی آگ میں جل جل کر راکھ ہو رہا تھا ــــ وہ ڈری ہوئی شوبھا کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا لیکن خود بھی ڈرا ہوا تھا ــــ ایسا بہت کم ہوا تھا ــــ کبھی نہیں ہوا تھا تو پھر آج کیوں ہو رہا ہے ــــ مشاہد بھائی جان کو کیا ہو گیا ہے؟ اُن کی توجہ مجھ سے کیوں ہٹ گئی ہے ــــ کیوں؟"

اس ــــ کیوں؟ ــــ کو مشاہد نے اپنے اندر سنا ــــ اُس نے اندھیرے میں ادھر

ہر مردان تھا اور اُس نے آہستہ سے آواز دی — مردان!
یہ اُس لمحے کہا گیا جب وہ اس سوچ میں جلتا تھا کہ بھائی جان کو کیا ہو گیا ہے —
اُسی لمحے —
"جی بھائی جان —" وہ شوبھا کا ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔
"اِدھر آؤ —"
وہ اندھیرے میں اطمینان سے اپنا راستہ جانتے ہوئے چلتا گیا اور مشاہد نے اٹھ کر
ٹھنڈک میں بھیگتی ریتلی رات کی ہوا میں اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا جب کہ ابھی
رہی تھیں...

پُر وحشت سُنجڑی روہی
اے دل دیوانی موہی

وہ کچھ دیر اس کے سینے پر سر رکھے اپنے باپ چوہدری اللہ داد خان کی مہک تلاش
کرتا رہا اور وہ کبھی کبھی — ایک گمشدہ خیال کی طرح — ایک فراموش شدہ محبت کی
طرح آتی تھی اور گم ہو جاتی تھی۔ مشاہد بہت آہستہ آہستہ شفقت سے اُس کی پشت پر
تھپکیاں دیتا تھا جیسے ایک شیر خوار بچہ ہو جس نے دودھ پینے کے بعد ڈکار نہ لیا ہو اور مردان
باپ کی مہک کی آرزو میں اس کے سینے سے لگا ٹھنڈک میں بھیگتی رات میں تھا جب
مشاہد نے سرگوشی کی "میں تم سے ایک بہت ہی راز کی بات کہنا چاہتا ہوں۔"
مردان نے سر اٹھایا "جی بھائی جان —" وہ جانے کیا کہنے والے تھے۔
"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ چار مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں —"
پہلے ایک سنجیدہ مہاندرہ کہ کیا پتہ اس میں کوئی رمز ہو اور پھر وہ جان گیا کہ بھائی
جان سالے دیکھ کر کچھ ابنارمل ہو گئے ہیں "واقعی بھائی جان؟"
"ہاں بالکل — بلکہ مرغابیاں اگر پانچ بھی ہوتیں تب بھی ان کا خوشی سے کوئی
تعلق نہ ہوتا —" ایک ہنسی — پہلے مشاہد کی — اور اُسی میں شامل ایک بے اختیار
ہنسی مردان کی جو یک جا ہو کر ریتلی رات میں تیرتی گئی دور دور تک۔ یقیناً ڈیراور کی دبیز
اور نامُکمل فصیل تک جو اس لمحے چاند کی گیارہویں میں بھیگی ہوئی تھی۔ اپنی خوبصورتی سے
لاعلاج، اٹل اور ناگزیر حقیقت کو شرمندہ کرتی ہوئی — اور جامع مسجد کے فردوس
نشانے زمیں جھروکے تک اور پھر اس بازار میں چلتی ہوئی — جس میں ریت تھی اور

ڈھیتی ہوئی محرابیں تھیں۔

برگیتا چپ، نیم اندھیرے میں بظاہر لاتعلق، بڑھتی ہوئی ٹھنڈک کو برداشت کرتی ہوئی۔ موسیقاروں کی ناآشنا... تانوں کو سنتی — لاتعلق لیکن بہت ہی گہرے حسد میں مبتلا — وہ صرف اس ہنسی سے نفرت کرتی تھی۔ مشاہد اور مردان کی یک جا ہنسی — بے اختیار — جو سات کمروں والی کوٹھی میں بھی اسے بیزار کرتی تھی۔ ان دونوں کا رشتہ صرف بھائیوں کا نہیں ہے — یہ ہم سے — مجھ سے اور شوبھا سے ہمارے حصے کی محبتیں لے جاتے ہیں۔

سب جو اپنے آپ میں لاتعلق ہو کر اندھیرے میں تھے ان سب نے سر اٹھا کر ایک دوسرے کے چہرے دیکھے جو پھڑ پھڑاتی لو پر جھکے چہرے کی طرح۔ نیم تاریکی میں آتے جاتے ظاہر اور پوشیدہ ہوتے تھے۔ نمبردار اللہ ڈوایا صاحب لوگوں کے لیے صحرا میں کیمپ قائم کرنے کا مقامی ایکسپرٹ تھا اور آج تو عباسی صاحب کا آرڈر آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رات جب آگے ہوتی جاتی ہے تو کونسے لمحوں میں ٹھنڈک بے آرام اور بے چین کرنے لگتی ہے اور وہ عین اُن لمحوں میں خشک لکڑیوں کے ڈھیر کو اپنے لائٹر سے سلگاتا ہے اور وہ پکڑ دھکڑ کرتی جلتی یکدم ایک بڑے الاؤ کی صورت میں روشن اور ظاہر ہو جاتی ہیں اور اس روشنی میں وہ سب ایک دوسرے کو دیکھتے تھے۔ اُن کے حلیے وہ نہ تھے جن کے وہ عادی تھے۔ خاصے بدحال... کراچی اور بٹ خیلہ سے یہاں تک کے سفر کی تھکن، پھر بہاولپور سے یہاں تک ڈیزاور تک کی ریت اور جیپ کے جھٹکے انہیں بدحال کرتے تھے... البتہ اُن کی مسکراہٹیں اُن کی شناخت کرتی تھیں... نشستوں میں ردوبدل ہوا، شوبھا نے برگیتا کی طرف دیکھا اور وہاں جو چوڑی خوش آمدیدی مسکراہٹ تھی اُس کی ڈوری سے بندھی ہوئی اُس کے برابر میں جا بیٹھی —

"میں تم سے ناراض ہوں — بہت زیادہ"

"کیوں چاچی؟"

"تم مردان کے ہمراہ لاہور کیوں نہیں آئی تھیں کرسمس پر؟"

"آپ یہ سوال صرف اس لیے پوچھ رہی ہیں کہ آپ بھی میڈیکل سٹوڈنٹ نہیں رہیں... یقین کریں برگیتا چاچی... میڈیکل والے slaves ہوتے ہیں، یقین کریں..."

"اب تم میرے ساتھ لاہور جاؤ گی —"

شوبھا صرف دانت نمایاں کرکے مسکرائی "چاچی ادھر کتنی سردی ہے۔ اُدھر کراچی
میں چل رہے ہیں" وہ اپنے آپ میں سردی کو محسوس کرتے ہوئے ابھی سمٹی نہ تھی
مردان اُٹھ کر اُس کے پاس آگیا "Slightly nippy eh?" اور اُس کے کندھوں پر
اجرک پھیلادی — شوبھا نے جتنی دیر میں اوپر دیکھا وہ جا چکا تھا۔
اگرچہ الاؤ کی روشنی موسیقاروں تک پہنچتے پہنچتے تاریکی میں گھل جاتی تھی لیکن وہ
انہیں نظر آنے لگے تھے۔ اب بھی یہ جاننا ممکن نہ تھا کہ اُن کی عمریں کیا ہیں، وہ خوش
یا ناخوش.. ریت میں اُگے ہوئے بوٹے ہیں؟ صرف اتنا پتہ چلتا تھا کہ اُن میں سے ایک
گیارہ برس کا لڑکا ہے جس کی پگڑی اُس کی آنکھوں کو ڈھکتی تھی اور وہ ایک ڈفلی نما
ہتھیلی سے تھاپ دے رہا تھا۔ بقیہ لوگ الاؤ کی روشنی سے اُس کی تمازت سے متاثر
بغیر اپنے سازوں اور دِلوں پر جھکے ہوئے تھے اور اُن کے اندر سے کافی کے بول صحرا
ات میں جھاڑیوں سے بلند ہو کر تھوڑی دور جا بیٹھنے والے نامعلوم پرندوں کی طرح
رہے تھے....

پُر وحشت سُنجڑی روہی

اپنے جاگرز اتار کر اور ایک طویل سفر کی تھکاوٹ کے بعد پاؤں کو کتنا آرام ملتا ہے
نے پہلی بار اپنے ننگے پاؤں کو ریت سے آشنا کیا۔ سرد اور کھسکتی ہوئی ریت پاؤں کا
تا جاتی تھی... مردان اُسے دیکھ رہا تھا جب سے آگ جلی تھی مسلسل دیکھ رہا تھا۔ اور
یک تجزیہ نگار کی پُر تفکر نگاہ سے موسیقاروں کو دیکھ رہی تھی اور اس کے سیاہ بالوں پر
کی ایک تہہ تھی جس پر سفیدی کا دھوکہ ہوتا تھا... تو شوبھا جب ذرا بزرگ ہو گی تو
کی لگے گی — مردان کے دل پر گہرا بوجھ تھا — ایک اُلجھن تھی جو اُسے بار بار
سے واپس ملیر کینٹ کے بیرک نمبر تین میں لے جاتی تھی جہاں یقیناً اس وقت تک
اور نازنین سو چکی تھیں اور بیٹ مین بشیردین کا آخری سگرٹ اپنے پھیپھڑوں میں
تھا۔ ایک ہی گھر میں تین جوان جہان لڑکیوں کی ذمہ داری سنبھلنے والی ذمہ داری
ہوتی۔ اگرچہ عارفین اور نازنین کے بالوں میں سفیدی بہت تھی لیکن وہ غیر شادی
شدہ اور ابھی لڑکیاں ہی تھیں۔ شوبھا اپنی ذات میں ایک پُراعتماد شخصیت تھی، اُسے
حفاظت یا بچاؤ کی فصیل کی ضرورت نہ تھی۔ محبت اور رِشتوں کی کشش ایک الگ
لیکن وہ اپنے طور پر زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اور وہ دونوں — بہت الگ

اور تنہا غیر محفوظ اور سہارے تلاش کرتی ہوئی تھیں۔
وہ کیا کر سکتا تھا —

دسویں سے واپسی پر جب وہ اور شوبھا زیب النسا سٹریٹ سے جامن کھا کر آ رہے تھے تو بیٹ مین بشیر نے اُن کی موجودگی کی اطلاع دی تو — وہ کیا کر سکتا تھا۔
وہ کیا کہہ سکتا تھا —

عارفین اور نازنین کو آپ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ وہ خاص دباؤ اور درجہ حرارت میں ہی زندہ رہنے والے سمندر کے نیچے ہزاروں میٹر کی گہرائی میں پائے جانے والے بے رنگ آبی پھولوں کی طرح تھیں — جو سطح آب پر آتے ہی مسمار ہو کر پانی ہو جاتے ہیں — اب اُن کو کتنا عرصہ اُس گہرائی اور درجہ حرارت میں رکھا جا سکتا تھا — اُنہیں اوپر — سطح آب پر آنا تھا — تو یہ نہ سنبھلنے والی ذمہ داری تھی۔

اُن پر ترس بھی آتا تھا — وہ اپنے آپ کو کارآمد ثابت کرنے کے لیے ہمہ وقت کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھیں اور جو کچھ بھی کرتی تھیں اگر نہ کرتیں تو بہت بہتر تھا لیکن مردان انہیں منع نہیں کرتا تھا۔۔ ڈیفنس کے ناریل والے گھر کے پردے گرے ہوئے تھے اور وہ مقفل تھا۔۔ وہ سب کچھ تو بیگم بابر کے زمانے میں ہی پیکڈ اور مقفل تھا جو اُن کی رخصتی پر اُن کے ساتھ جانا تھا — صرف کاریں دھونے اور پالش کرنے والے کی روٹین میں فرق نہیں آیا تھا۔ نازنین اس معاملے میں بے حد حساس تھی —

"ممی۔۔ بہت خوش ہوں گی — وہ — جہاں بھی ہیں — یہ دیکھ کر کہ اُن کی کاریں روزانہ دھلتی اور پالش ہوتی ہیں — ممی بہت خوش ہوں گی — " ایک گہرا سانس بھر کر وہ ایک ٹشو ناک پر رکھتے ہوئے ایک تہذیب یافتہ شوں کرتی۔

وہ کیا کر سکتا تھا۔

آنٹی بابر کے غسل خانے میں مسز حسین کی نمکینیت سے اُس کی ملاقات آخری نہ تھی — اسے اب اس خیال سے بھی شرمندگی ہوتی تھی کہ لیکن ایسا ہوا تھا — ہم ذرا عمر رسیدگی تک پہنچتے ہیں تو پھر شرمندہ ہونے لگتے ہیں حالانکہ اُنہی حالات میں اور عمر کے اُسی حصے میں اگر دوبارہ پہنچ جائیں تو وہی کچھ ہو گا — جو ہوا تھا۔

اگلی شام اکیڈمی کا ڈرائیور ایک بُوکے لے کر آیا تھا اور میس کے تمام افسران نے رشک سے دیکھا کہ مسز حسین کی جانب سے اس بار — بُوکے مردان کے لیے آیا ہے

کوئی خفیہ نہیں — کھلا راز تھیں۔ وہ انتخاب کی قدرت رکھتی تھیں۔ عہدہ، رم اور تجربہ ایک ایسا یتھل کمبی نیشن تھا جس کے سامنے ایک سادہ اپنے آپ کو سمجھتا نوجوان کپتان کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا — اور چند روز کی نشہ آور رفاقت کے اکیڈمی کے وسیع گھاس کے میدانوں میں گھڑسواری کے بعد — بڑی بڑی سیال ں میں اُس نمی کے بعد جو اُن کی دُکھی اور ناخوش زندگی کی وجہ سے بھر بھر آتی تھی رمحبت کی ایک خاص مہک کے بعد جو اُن کے نمکین وجود سے اُٹھتی تھی وہ کپتان ہو جاتا پختگی سے یقین کر لیتا تھا کہ مسز حسین کے ماضی کے بارے میں جتنی داستانیں سراسر جھوٹ ہیں اور صرف وہی اور اُن کا نمکین بدن ہی سچ ہیں.. اور کیا خوبصورت پارٹیوں میں، باہر جو کچھ بھی ہو رہا تھا اس کے باوجود پارٹیوں میں اُن کے بیٹوں کا الیکٹرک گٹاروں پر ایلوس پرسلے اور بیٹلز کی دُھنیں بجاتا اور اُن پر مسز حسین جیسے رتیں کوئی اور نہیں کر سکتا تھا اور اس دوران اُن کی لیکوئڈ آنکھیں صرف مردان پر

اُن کے خاوند جو ظاہر ہے مسٹر حسین تھے انتہائی بردبار، ملنسار، شریف الطبع اور قلب شخص تھے۔ موجودہ پوزیشن تک وہ مسز حسین کے بدن کی کومل سیڑھی سے تھے اسی لیے وسیع القلب تھے.. یوں بھی یہ افواہ عام تھی اور شائد اس کا منبع مسز ا تھیں کہ وہ نیچے سے ساڑھے چھ تھے اور یہ کلاک بہت عرصے سے یہیں سوئیوں پوزیشن پر رُکا پڑا تھا... بے چاری مسز حسین اور اُن کی نم ناک آنکھیں تو ایک لیتن کہاں تک یہ سب کچھ سہہ سکتا تھا —

اکیڈمی ایک برڈ سینکچری کی مانند تھی —

اُس کے وسیع پھیلاؤ میں اور پھر پرنسپل کے شاندار گھر کے اندر طرح طرح کے آوازیں کرتے تھے اور اُنہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرتا تھا — فوجی افسر، سول ہماری دوست، بنگالی محب الوطن سب یہاں بے خطر جمع ہوتے تھے۔ اس برڈ کے باہر صرف جنگل تھا جس میں صرف جنگ تھی۔

چند روز کے لیے مسز حسین مغربی پاکستان بھی گئی تھیں..

وہ جانتی تھیں کہ مردان کی سب سے بڑی کمزوری اُس کا بھائی ہے جو لاہور میں چنانچہ وہ خاص طور پر اس سے ملنے بھی گئی تھیں...